© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذمیوں کے حقوق

سید جلال الدین عمری

اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو "ذمی" کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو اس قدر مسخ کیا گیا اور بھیانک بنا دیا گیا ہے کہ اس کے زبان پر آتے ہی مظلومی اور محکومی، محرومی اور مجبوری اور ذلت و رسوائی کا تصور ابھرنے لگتا ہے۔ یہاں اس کی براہِ راست تردید کی جگہ اسلامی ریاست میں ذمی کی صحیح حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے خود بخود یہ بات نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ یہ ایک مسخ شدہ تصور ہے جو اسلامی تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

ذمی کا معنی و مفہوم

بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے ذمی کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ذمہ کے معنی عہد و پیمان، ضمانت، قابلِ احترام قول و قرار اور حق کے ہیں۔ اسی سے ذمی یا اہل ذمہ ماخوذ ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

سمی اهل الذمة ذمة لدخولهم فی عهد المسلمين واما نهم (۱)

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ ذ، م، م،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ذمہ کو ذمی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان اور امان میں وہ داخل ہیں۔

اسی ذیل میں کہا گیا ہے:

الذمة هی الامان– لهذا سُمِّیَ المعاهد ذمیالانه اعطی الامان علی ذمة الجزیة التی توخذمنه– (۱)

ذمہ کے معنی امان کے ہیں۔ اسی وجہ سے معاہد کو ذمی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جو جزیہ اس سے لیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر اسے امان دی گئی ہے۔

اسی کے مادہ سے ''ذمام'' کا لفظ آتا ہے۔اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

الذمام کل حرمة تلزمك اذا ضیعتها المذمة ومن ذٰلك یسمی اهل العهد اهل الذمه (۲)

''ذمام'' ہر محترم چیز کو کہا جاتا ہے کہ اسے تم ضائع کر دو تو قابل مذمت قرار پاؤ۔ اسی وجہ سے اہل عہد کو اہل ذمہ کہا جاتا ہے۔ (کہ ان کے حقوق کی عدم ادائیگی بھی قابل مذمت ہے۔)

دور جدید کے ایک مستند عربی لغت میں ہے:

الذمی : المعاهد الذی اعطیٰ عهداً یامن به علی ماله وعرضه و دینه (۳)

اس سے واضح ہے کہ ذمی اسلامی ریاست کا وہ غیر مسلم شہری ہے جس کی جان،

۱۔ حوالہ سابقہ،

۲۔ حوالہ سابقہ، المعجم الوسیط، مادہ ذمم، ص ۳۱۵،

۳۔ ذمی وہ شخص ہے جسے عہد و پیمان دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے مال، اپنی عزت و آبرو اور دین کے بارے میں محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا وہ اس سے عہد کرتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سے جزیہ یا ایک متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔

عہد و پیمان کی پابندی ضروری ہے۔

قرآن مجید میں عہد و پیمان کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (۱)

اور عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَاتَفْعَلُوْنَ O(۲)

اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑ دو جب کہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو نگراں بنایا ہے۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

اہلِ ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ O(۳)

عہد و پیمان افراد کے درمیان بھی ہوتا ہے اور جماعتوں کے درمیان بھی۔ فرد اور ریاست کے مابین بھی ہوتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ یہ ایک دوسرے پر اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ ہر عہد پورا کیا جائے اور ایک فریق نے دوسرے پر جو اعتماد کیا ہے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۴،

۲۔ سورۂ النحل، آیت ۹۱،

۳۔ سورۂ المومنون، آیت ۸،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد شکنی پر وعید

دنیا میں افراد اور جماعتوں کے درمیان عہد و پیان ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن جب کوئی فرد یا جماعت فریق ثانی کو کمزور دیکھتی ہے یا کوئی مادی منفعت اس کے پیش نظر ہوتی ہے تو جھوٹے الزمات لگا کر یا مکر و فریب کے ذریعہ بڑے سے بڑے عہد کو توڑ دیتی ہے۔ اسلام نے اسے جرم عظیم اور آخرت میں سخت رسوائی کا باعث قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل غادرٍ لواء یوم القیامۃ یُریٰ یوم القیامۃ یعرف بہ– (۱)

ہر دھوکہ باز کے لئے قیامت کے روز ایک جھنڈا لگا دیا جائے گا جو نمایاں ہو گا اور جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی مفہوم کی روایت آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علہی وسلم نے فرمایا:

لکل غادر لواء ینصب لغدرتہ –(۲)

ہر دھوکہ باز کے لئے ایک جھنڈا ہو گا جو اس کی دھوکہ بازی کی وجہ سے نصب کیا جائے گا۔

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

اذا جمع اللّٰہ الا ولین والا خرین یوم القیامۃ یرفع لکل غادرلواء فقیل ھٰذہ غدرۃ فلان بن فلان– (۳)

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اگلے اور پچھلے لوگوں کو جمع کرے گا،

۱۔ بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر، مسلم، کتاب الجہاد،

۲۔ حوالہ سابق،

۳۔ مسلم حوالہ سابق،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر دھوکہ باز کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کا دھوکہ ہے۔

فوج میں عام طور پر سپہ سالار کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ سب میں نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ اگر کوئی شخص عہد شکنی اور بے وفائی کرتا تو اس کے اعلان عام کے لئے کھلے بازار میں، یا جہاں مجمع ہوتا اس کے نام کا جھنڈا نصب کر دیا جاتا تاکہ لوگوں کو اس کے فریب اور عہد شکنی کا پتہ چل جائے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب کہ ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے۔ دھوکہ باز اور عہد شکن کے نام کا جھنڈا لگا دیا جائے گا اور اعلان ہو گا کہ یہ فلاں ابن فلاں غدار اور بد عہد کا جھنڈا ہے۔ ان احادیث میں عہد شکنی سے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کا تعلق عام عہد و پیمان سے زیادہ سیاسی سطح پر کئے جانے والے عہد و پیمان سے ہے۔ اس لئے کہ حاکم وقت یا ریاست کی جانب سے جو عہد شکنی ہوتی ہے اس کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں اس بات کی تاکید ہے کہ اسلامی ریاست کا حاکم اپنی رعیت سے خواہ وہ غیر مسلم اور ذمی ہی کیوں نہ ہو جو عہد و پیمان کرے اسے پورا کرے اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں کوئی کوتاہی نہ برتے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے انتقال سے پہلے اپنے بعد منتخب ہونے والے امیر کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک ذمیوں سے متعلق تھی، فرمایا:

واوصیه بذمة اللّٰه و ذمة رسوله صلی اللّٰه علیه وسلم ان یوفیٰ لهم بعهد هم وان یقاتل من ورائهم ولا یکلفوا الا طاقتهم – (۲)

۱۔ نووی، شرح مسلم، ج ۴، جزء ۱۲، ص ۴۳-۴۴،

۲۔ بخاری، کتاب المناقب، باب قصة البیعة والا تفاق علی عثمانؓ، الخ مع عینی، عمدة القاری، ۱۲/۱۲۰،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے، ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کرے ان پر حملہ ہو تو ان کے دفاع میں. جنگ کرے اور ان پر اتنا ہی (جزیہ کا) بوجھ ڈالے جتنا کہ وہ اٹھا سکیں۔

یہ اس بات کی ہدایت ہے کہ اسلامی ریاست کا ذمیوں سے خدا اور رسول کے نام پر ایک معاہدہ ہوتا ہے اس معاہدہ کا پورا کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اس ذمہ داری کو اسے ہر قیمت پر ادا کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ ان کے تحفظ کے لئے اسے دشمن سے جنگ بھی کرنی پڑے تو اسے اس کے لئے بھی تیار ہونا چاہئے۔

ذمی کے حقوق

اسلامی ریاست میں ذمیوں کو جو حقوق حاصل ہوں گے ان میں سے بعض بنیادی حقوق کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ اور ان کے سلسلہ میں جو فقہی اور قانونی بحثیں ماہرین شریعت کے درمیان رہی ہیں ان کا بھی کسی قدر تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

ذمی کی جان کی حفاظت

اسلام کے نزدیک ہر انسان کی جان محترم ہے۔ ناحق کسی کی جان لینا اس کے نزدیک سنگین جرم ہے۔ ذمی کی جان کا احترام بھی لازم ہے۔ وہ شخص سخت گناہ گار ہے جس کے ہاتھ کسی ذمی کے خون سے رنگیں ہوں۔ اسے جنت سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قتل معاهدالم يرح رائحة الجنة وان ريحهاليوجد من مسيرة اربعين عاما – (۱)

۱۔ بخاری، دیات، باب من قتل ذمیا بغیر جرم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کسی معاہد کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو (بھی) نہیں پائے گا۔
حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک موجود ہو گی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

من قتل معاهدا فی غیر کنهه حرم اللّٰه علیه الجنة۔ (۱)

جو شخص کسی معاہد کو بے بنیاد قتل کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

یہ وعیدیں ذمی پر دست درازی سے باز رکھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی ریاست اس کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے، کوئی بھی شخص اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ ایک سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کے نزدیک مسلمان اور ذمی کا خون از روئے قانون برابر ہے؟ کیا کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو وہ بھی اس کا مستحق ہو گا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے یا اس معاملہ میں دونوں کے درمیان فرق ہے؟ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں صرف اصولی ہدایات دی ہیں، ان ہی سے اس مسئلہ میں رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس نے قتل ناحق کی صریح ممانعت کی ہے اور مظلوم کی دادرسی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا O (۲)

اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر یہ کہ حق کا تقاضا ہو۔ جس شخص کا مظلومانہ قتل ہو ہم نے اس کے ولی کو

۱۔ ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی الوفاء للمعاهد و حرمة ذمة، نسائی، قسامة، باب تعظیم قتل المعاهد،
۲۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۳،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصاص کا حق دیا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے اس کی مدد ہو گی۔

اسلام نے قاتل سے "قصاص" کا حکم دیا ہے۔ "قصاص" میں برابری اور مساوات کا تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کی جان برابر ہے۔ ان کے درمیان فرق نہیں ہو گا۔ مقتول چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، باحیثیت ہو یا بے حیثیت اس کے عوض قاتل کی جان لی جائے گی، قطع نظر اس کے کہ وہ سماج کا ایک عام فرد ہے یا اس کی کوئی بااثر اور معزز شخصیت اس لئے کہ اس نے قتل کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی جان کی عصمت کھو دی ہے۔(۱) قرآن مجید کا حکم ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى......(۲)

اے ایمان والو مقتولین کے سلسلہ میں تم پر "قصاص" (مساوات) فرض کر دیا گیا ہے۔

اس حکم کی علت اور حکمت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O(۳)

اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے، تاکہ تم (اس طرح) قتل سے بچے رہو۔

مطلب یہ کہ قانون قصاص پر عمل ہو تو قتل کا اقدام کرنے سے پہلے آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ اس کے بعد اس کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی، اس سے دونوں کی

۱۔ یہاں قصاص پر گفتگو کو زیر بحث موضوع کی حد تک محدود رکھا گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۸،

۳۔ سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۹،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی بچ سکتی ہے۔ کسی قوم میں قتلِ ناحق کی راہ کا مسدود ہونا اس کی حیات کا ذریعہ ہے۔ اس سے بے شمار انسانوں کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصول یہ بیان ہوا ہے:

اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالعَيْنَ بِالعَيْنِ ......-(۱)

بے شک جان کے بدلہ جان ہے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ......

ذمی کا قصاص مسلمان سے

اس حکم کے دائرہ میں ذمی بھی آتے ہیں یا نہیں اس کے معلوم کرنے کے لئے احادیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے:

لَا يُقْتَلُ مُسلمٌ بكافر – (۲)

مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

لا يقتل مومن بكافر ولا ذو عهد فى عهده –(۳)

مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی معاہد کو جب تک اس سے معاہدہ ہے قتل کیا جائے گا۔

علامہ خطابی اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

فيه البيان الواضح ان المسلم لا يقتل باحد من الكفار كان المقتول باحد من الكفار كان المقتول منهم ذميا اومعاهدا او مستامنا اوماكان – (۴)

۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۴۵،

۲۔ بخاری، کتاب الدیات، باب لایقتل مسلم بکافر،

۳۔ ابوداؤد، کتاب الدیات، باب ایقاد المسلم بالکافر، نسائی، ابواب القسامۃ، باب سقوط القود من المسلم للکافر، مسند احمد، ج ۲، حدیث نمبر ۹۵۹، ۹۹۳، ابوداؤد میں یہ روایت ایک اور سلسلہ سند سے بھی مروی ہے دونوں حدیثیں حسن ہیں۔ فتح الباری ۱۲/۲۶۱،

۴۔ خطابی، معالم السنن، ۴/۱۷،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میں واضح بیان ہے کہ مسلمان کسی بھی کافر کو، قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا، چاہے مقتول ذمی ہو یا اس کا تعلق معاہد قوم سے ہو، یا وہ دار الحرب سے امان لے کر آیا ہو یا اور کوئی ہو۔

ان احادیث کی بنیاد پر حضرت عمر بن عبد العزیز، امام اوزاعی، ثوری، ابن شبرمہ، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ اور ابو ثور وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا۔(۱)

امام مالک کی رائے اس سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ وہ یہ کہ ذمی کو مسلمان قتل کرے تو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر وہ دھوکہ اور فریب سے اسے قتل کرتا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔(۲)

دھوکہ سے قتل کی صورت یہ ہے کہ کسی بہانہ اسے کہیں لے جائے اور خاموشی سے قتل کر دے۔ یہ فساد فی الارض (یا نقضِ امن و امان) ہے۔ اس وجہ سے مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف بھی کر دیں تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔(۳)

ذمی کے مسلمان قاتل سے قصاص نہ لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے کوئی دوسری سزا بھی نہیں دی جائے گی بلکہ جیسا کہ علامہ ابن حزم نے کہا ہے قتل، خاص طور پر قتل عمد ہو تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی ہوگی۔ قاتل کو قید و بند کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔(۴)

امام شعبی، ابراہیم نخعی، محمد بن ابی لیلیٰ، عثمان بتی، امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا۔

۱۔ عینی، عمدۃ القاری، ۱۹/ ۳۴۹، ابن قدامہ، المغنی، ۷/ ۶۵۲۔
۲۔ مؤطا کتاب العقول، باب ماجاء فی دیۃ اہل الذمۃ۔
۳۔ شرح زرقانی علی الموطا، ۴/ ۴۲۔
۴۔ عینی، عمدۃ القاری، ۱۹/ ۳۴۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر وہ اسے قتل کر دے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ صحابہ کرام میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی یہی رائے تھی۔ (۱)

ان حضرات کی ایک دلیل تو قرآن مجید کے یہ الفاظ ہیں:

اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ،

جان کے بدلہ جان۔

ان میں مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہو یا ذمی دونوں کے لئے قصاص کا ایک ہی حکم ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے تو اس سے ذمی نہیں بلکہ حربی کافر مراد ہے۔ یہی مطلب دوسری حدیث کا ہے کہ کسی مومن کو اور اسی طرح کسی معاہد (ذمی) کو جب تک اس کا عہد باقی ہے حربی کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہاں معاہد کے مقابلہ میں کافر کا لفظ حربی کافر کے لئے آیا ہے۔ ظاہر ہے جس سے جنگ ہے اس کا خون ایک مسلمان یا ذمی کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور ذمی کو ریاست کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں وہ مسلمان کے برابر ہے۔ (۲)

دوسری بات یہ کہ ان روایات کے بالمقابل بعض اور روایات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا گیا۔ یہ روایات سند کے اعتبار سے گو مقدم الذکر روایات کے پایہ کی نہیں ہیں لیکن مجموعی طور پر استدلال کے قابل ہیں۔

دارقطنی وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے

۱۔ عینی عمدۃ القاری، ۱۹/۳۴۹،

۲۔ فقہ حنفی کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لئے دیکھی جائے۔ ہدایہ: ۴/۵۵۹، فریقین کے دلائل اور ان کے ضعف و قوت کے جاننے کے لئے ملاحظہ ہو خطابی، معالم السنن، : ۴/۱۶-۱۹، فتح الباری: ۱۲/۲۶۱-۲۶۲، شوکانی، نیل الاوطار: ۷/۱۵۲، ۱۵۵،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا:

ان اکرم من وفیٰ بذمته – (۱)

میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ شریف ہوں. جنہوں نے اپنا عہد و پیمان پورا کیا۔

حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے اہل حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا۔(۲)

ایک اور روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل کو مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دیا جائے چاہے وہ اسے قتل کریں، چنانچہ اسے مقتول کے ولی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جسے حسنین کہا جاتا تھا۔ اس نے قاتل کو قتل کر دیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا کہ اگر وہ قتل نہیں ہوا ہے تو مقتول کے اولیاء کو دیت پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔(۳)

حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک مسلمان کو پیش کیا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا۔ جب قتل ثابت ہوگیا تو آپ نے قاتل سے قصاص کا حکم دیا۔ اتنے میں مقتول کا بھائی حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ شاید ان لوگوں نے تمہیں ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس کے قتل کرنے سے میرا بھائی تو نہیں مل جائے گا۔ پھر یہ کہ انہوں نے مجھے اس کا معاوضہ بھی پیش کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، تم خود اپنے معاملہ کو سمجھ سکتے ہو۔ اس کے بعد حکم شریعت بیان کیا۔

۱۔ یہ حدیث کمزور ہے، ملاحظہ ہو زیلعی، نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۴/ ۳۳۵-۳۳۶، نیز دیکھی جائے۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱۲/ ۲۶۲،

۲۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۱۰۱، زیلعی نصب الرایہ: ۴/ ۳۳۷،

۳۔ المصنف ۱۰/ ۱۰۲، نصب الرایہ: ۴/ ۳۳۷،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من كان له ذمتنا فدمه كدمه و ديته كديتنا-(۱)

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک تحریر دیکھی جو حیرہ کے گورنر کے نام تھی۔ اس کا تعلق اس معاملہ سے تھا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی تحریر میں لکھا کہ قاتل کو تم مقتول کے اولیاء کے حوالہ کردو، وہ چاہے اسے قتل کر دیں یا معاف کر دیں۔(۲)

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ اسلامی ریاست اگر یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا اور ذمی کے بدلہ مسلمان کو قتل کیا جائے گا تو یہ کمزور موقف نہ ہوگا۔ اس کے حق میں بھی اتنے ہی دلائل ہیں جتنے مخالف نقطۂ نظر کے حق میں ہیں۔

ذمی کی دیت

اسی طرح کی بحث ذمی کی دیت کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں تین نقطۂ نظر ملتے ہیں۔(۳)

امام شافعیؒ کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی تہائی (۱/۳) ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے۔(۴)

۱۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ امام شافعی نے معنوی لحاظ سے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حضرت علیؓ نے اس کے خلاف روایت بیان کی ہے کہ مسلمان سے کافر کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ بالکل صحیح حدیث ہے۔ کیا وہ آپ ﷺ کے ارشاد کے خلاف فیصلہ کرسکتے ہیں؟ نصب الرایہ: ۳۴۳/۷/۴، لیکن جیسا کہ احناف نے توجیہہ کی ہے روایت کو حربیوں سے متعلق مان لیا جائے تو روایت اور عمل میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

۲۔ زیلعی، نصب الرایہ: ۳۴۳/۷/۴،

۳۔ ملاحظہ ہو خطابی، معالم السنن: ۳۴۸-۳/۷/۴، ابن ہبیرہ، الافصاح، ۲۲۱/۲، ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۵-۶/۲،

۴۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷۹۳/۷،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمان کی دیت بارہ ہزار اور یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار مقرر کی تھی۔ مجوسی کی دیت اس سے بھی کم آٹھ سو درہم رکھی۔ (۱)

امام احمد اور بعض دوسرے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف (۱/۲) ہے۔ اس کی دلیل عمرو بن شعیب کی روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دیة المعاهد نصف دیة الحر – (۲)

معاہد کی دیت آزاد (مسلمان) کی دیت کی نصف ہے۔

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

دیة عقل الکافر نصف دیة عقل المومن –(۳)

کافر کی دیت مومن کی دیت کی نصف ہے۔

سنن نسائی کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

عقل الکافر نصف عقل المومن – (۴)

کافر کی دیت مومن کی دیت کی نصف ہے۔

امام مالک اور بعض دوسرے اصحاب ان روایات کو ذمی اہل کتاب کے ساتھ

۱۔ ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر، بیہقی، السنن الکبریٰ: ۱۰/۱۰۰، تفصیل کے لئے دیکھی جائے زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۳۶۵، شوکانی، نیل الاوطار: ۷/۲۲۱۔۲۲۲، حضرت عثمانؓ سے بھی یہودی اور نصرانی کی یہی دیت منقول ہے۔

۲۔ ابوداؤد کتاب الدیات، باب فی دیة الذمی، خطابی کہتے ہیں لیس فی دیة اہل الکتاب شئی ابین من ہذاء معالم السنن ۴/۷/۳، یعنی اہل کتاب کی دیت کے سلسلہ میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی روایت نہیں ہے۔

۳۔ ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر،

۴۔ نسائی ابواب القسامة، باب کم دیة الکافر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مخصوص سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

عقل اهل الذمة نصف عقل المسلمين وهم اليهود والنصاریٰ۔ (۱)

اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔ اہل ذمہ یہود و نصاریٰ ہیں۔

ان حضرات کے نزدیک جن روایات میں کافر کا لفظ آیا ہے یہ روایات بتاتی ہیں. کہ اس سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ غیر اہلِ کتاب اس میں شامل نہیں ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھ تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق یہ روایت پہونچی ہے۔

قضیٰ ان دية اليهودی او النصرانی اذا قتل احدهما مثل نصف دية الحرا لمسلم ۔(۲)

انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ یہودی اور نصرانی میں سے کوئی قتل ہو جائے تو اس کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کی نصف ہو گی۔

مجوس کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ان کی دیت آٹھ سو درہم ہو گی۔ (۳) یہ اہل کتاب کی دیت سے بہت کم ہے۔ اسی کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے اختیار کیا ہے۔ (۴)

۱۔ حوالہ سابق، مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے۔ ان رسول الله صلی الله عليه وسلم جعل عقل اهل الكتاب من اليهود و النصاریٰ نصف عقل المسلم :۱۰۰/۹۲، ایک اور میں ہے قضیٰ ان عقل اهل الكتابين نصف عقل المسلمين وهم اليهود و النصاریٰ– دار قطنی مطبوعہ ہند۔ ۳۶۰،

۲۔ موطا کتاب العقول، باب ماجاء فی دیۃ اہل الذمۃ، ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر۔

۳۔ دار قطنی ص ۳۴۳،

۴۔ احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں کہ کتابی ذمی ہو یا امان یافتہ حربی دونوں کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف ہے۔ مجوسی اور مرتد کی دیت ۱/۵ ہے۔ سونا ۶۶ ۲/۳ دینار یا چندی آٹھ سو درہم یا اونٹ ۶ ۲/۳، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک: ۴/۷۶-۳،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہور تابعی حضرت سلیمان بن یسار کہا کرتے تھے:

دیة المجوس ثمانماة درهم۔

مجوس کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام مالک اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ہمارے ہاں اسی پر عمل ہے۔(۱)

مجوس ہی کے حکم میں دوسری بت پرست قومیں بھی داخل ہیں۔(۲)

اس نقطۂ نظر پر تنقید کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ خیال کہ عمرو بن شعیب کی سند سے مروی حدیث میں اہل کتاب کا ذکر ہے اس لئے ان ہی کی دیت نصف ہوگی، صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی گروہ کا خاص طور پر ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے گروہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ حدیث کے الفاظ مختلف راویوں نے نقل کیے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کے الفاظ عام ہیں۔ اس لئے اس میں اہل کتاب ہو یا مجوسی اسلامی ریاست کا ہر ذمی شامل ہے۔ سب کی دیت نصف ہوگی۔(۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اس رائے کا ذکر آ چکا ہے کہ ذمیوں میں جو اہلِ کتاب ہیں ان کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہوگی۔ ایک روایت ان سے مجوس کے متعلق مروی ہے۔

جعل دیة المجوسی نصف دیة المسلم۔ (۴)

انہوں نے مجوس کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف رکھی۔

ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں:

دیة الذمی خمس ماة دینار۔ (۵)

۱۔ موطا، کتاب العقول، باب ماجاء فی دیۃ اہل الذمہ،

۲۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷/۷۹۶،

۳۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۷/۲۲۲،

۴۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۵،

۵۔ حوالہ سابق،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذمی کی دیت پانچ سو دینار ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور امام ثوری کے نزدیک ذمی کی دیت وہی ہے جو مسلمان کی دیت ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح کی رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ملتی ہے۔(۱)

ہدایہ میں فقہ حنفی کا مسلک ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

دیة المسلم والذمی سوا۔ (۲)

اس نقطۂ نظر کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ ...... (۳)

اگر مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو پوری دیت دینی ہوگی۔

اس سے واضح ہے کہ جس قوم سے میثاق اور عہد و پیمان ہے اس کے مقتول کی اسی طرح پوری دیت دی جائے گی جس طرح ایک مسلمان مقتول کی دی جاتی ہے۔ بعض احادیث و آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری نے دو افراد کو جن کے نام عامر تھے قتل کر دیا۔ ان افراد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کی وہی دیت ادا کی جو مسلمانوں کی دیت ہے۔(۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ ہدایہ: ۴/۵۸۲،

۲۔ ھدایہ،

۳۔ سورۃ النساء، آیت ۹۲،

۴۔ ترمذی، ابواب الدیات، باب دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہا، ص ۳۶۰،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ادا کی۔(۱)

یعقوب بن عتبہ، اسماعیل بن محمد اور صالح فرماتے ہیں:

عقل کل معاهد من اهل الكفر كعقل المسلمين جرت بذالك السنة فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم-(۲)

اہل کفر میں سے ہر معاہد کی دیت مسلمانوں کی دیت جیسی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہی سنت رہی ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں:

دية اليهودى والنصرانى والمجوس و كل ذمى مثل دية المسلم قال و كذالك كانت على عهد النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكر و عمر -

یہودی، نصرانی اور مجوس کی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے مثل ہے۔ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے عہد میں یہی معمول تھا۔

مزید فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے ذمی کی دیت نصف کر دی۔(۳)

امام زہری کی ایک اور روایت ہے:

ان ابابكرؓ و عمرؓ كان يجعلان دية اليهودى والنصرانى اذا كان معاهدين دية الحر المسلم- (۴)

۱۔ دار قطنی، ص ۳۴۳،

۲۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۷۔۹۸، زیلعی، نصف الرایہ: ۴/۳۶۸،

۳۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۵-۹۶،

۴۔ دار قطنی، ص ۳۴۳.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ، یہودی اور نصرانی کی دیت، اگر وہ معاہد ہیں تو، آزاد مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔

مصنف عبدالرزاق میں حضرت علیؓ سے منقول ہے:

دیة الیهودی والنصرانی وکل ذمی مثل دیة المسلم۔

یہودی اور نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں ''وھو قولی'' یہی میری رائے ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

دیة المعاهد مثل دیة المسلم۔ (۲)

معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے مثل ہے۔

یہ وہی بات ہے جو حضرت علیؓ نے کہی ہے۔(۳)

جن روایات سے مسلمان اور ذمی کی دیت کے یکساں ہونے کا ثبوت ملتا ہے ان میں گو کسی قدر ضعف ہے لیکن مجموعی طور پر قابل استدلال ضرور ہیں۔ آثار صحابہ سے جہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض صحابہؓ نے ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کا نصف یا اس سے کم کہا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کے نزدیک ذمی اور مسلمان کی دیت برابر ہے بلکہ بعض صحابہؓ سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ اس کا ثبوت اوپر کے نقل کردہ اقوال سے ملتا ہے۔(۴)

ایک رائے یہ بھی ہے کہ گو ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے لیکن بطور تعزیر اس میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

۱۔ مصنف عبدالرزاق، ۱۰/۹۷۔

۲۔ حوالہ سابق، اس سلسلہ کے مزید اقوال ص ۹۸ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳۔ اس موضوع پر موافق و مخالف راویوں کے لئے دیکھی جائیں، بیہقی، السنن، الکبریٰ مع الجوہر النقی ۱۰/۱۰۰-۱۰۳۔

۴۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰/۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو عمداً قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے قصاص تو نہیں لیا البتہ دیت میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر اس پر دیت لازمی کر دی۔(۱)

امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں خالد بن مہاجر نے ایک ذمی کے قتل کا ارتکاب کیا تو انہوں نے بھی اسے قتل نہیں کیا، البتہ دیت میں اضافہ کر کے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔(۲)

ان ہی دلائل کی بنا پر فقہ حنبلی میں گو ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کی نصف مانا گیا ہے لیکن بطور تعزیر اس میں اضافہ کا جواز پایا جاتا ہے۔(۳)

نتیجہ

ان تفصیلات کے پیش نظر مسلمان اور ذمی کی دیت میں مساوات کی فقہ میں پوری گنجائش ہے بلکہ اسے اس پہلو سے ترجیح حاصل ہے کہ یہ عدل وانصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اسلامی ریاست اسے اختیار کر سکتی ہے۔

ذمی کے مال کی حفاظت

ذمیوں کی جان کی طرح ان کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہے۔ کسی کو ان کے مال پر قبضہ کرنے اور ان کی املاک اور جائداد سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جنگ کے بعد یہود نے آکر شکایت کی کہ لوگ ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ جب کہ یہ چیزیں کھلے میدان میں نہیں محفوظ جگہوں پر ہیں۔ یہود سے چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے آپ نے فوراً ہدایت فرمائی۔

۱۔ عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۶،

۲۔ حوالہ سابق، نیز اس موضوع پر ملاحظہ ہو، نصب الرایہ: ۴/۳۶۸،

۳۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷/۷۹۴،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الا لا یحل اموال المعاهدین الا بحقها- (۱)

سن لو! معاہدین کے اموال حلال نہیں ہیں، الا یہ کہ ان کے لینے کا (ریاست کی طرف سے حق ہو)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک یہودی کی جو بڑا شریر تھا یہ شکایت تھی کہ لوگ ہمارے جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں۔ ہمارے پھل کھا رہے ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مار پیٹ ہو رہی ہے۔ آپ نے اس کی شکایت پر توجہ فرمائی۔ لوگوں پر سخت ناراض ہوئے۔ انہیں جمع کیا، نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا:

ان اللّٰہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائهم ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم علیهم-(۲)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کو حلال نہیں قرار دیا ہے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنے اور ان کے پھل کھانے کی اجازت دی ہے۔ جب کہ وہ اپنے اوپر جو واجب (جزیہ) ہے اسے تمہیں ادا کریں۔

حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر کسی ذمی یا معاہد کا مال کہیں پڑا ہوا ملے تو مسلمان کے لئے اس پر قبضہ کر لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یحل ...... اللقطة من مال معاهد الا ان یستغنی عنها-(۳)

سن لو معاہد کے مال کا لقطہ (جو چیز گر جائے) حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر

۱۔ ابو داؤد، کتاب الاطعمہ، باب النہی عن اکل السباع،

۲۔ ابو داؤد، کتاب الخراج والفی والامارہ، باب فی تفسیر اہل الذمۃ،

۳۔ ابو داؤد کتاب الاطعمہ، باب النہی عن اکل السباع، [illegible] ۱۸/۳،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی اسے ضرورت نہیں ہے تو اسے لے سکتے ہو۔

ذمیوں کی وہ چیزیں جنہیں مسلمان ناپاک تصور کرتا اور جن کے استعمال کو حرام سمجھتا ہے انہیں بھی وہ نقصان نہیں پہنچاسکتا۔ ورنہ فقہ حنفی کی رو سے اسے تاوان دینا ہوگا۔ شراب اور خنزیر اس کی دو مثالیں ہیں۔ فقہ حنفی کی رو سے اگر یہ کسی مسلمان کی ملکیت میں ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان انہیں نقصان پہونچادے یا ختم کردے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں ایک مسلمان کے نزدیک بے قیمت ہیں۔ لیکن اگر یہ کسی ذمی کی ہوں اور مسلمان انہیں نقصان پہونچائے تو اسے تاوان دینا پڑے گا اس لئے کہ ذمی کے نزدیک ان کی قیمت ہے۔ اس کے نزدیک خنزیر کی حیثیت وہی ہے جو مسلمان کے نزدیک بکری کی ہوسکتی ہے یا شراب ہے تو اسے وہ سرکہ کی طرح مباح اور قیمت والی چیز سمجھتا ہے۔(۱)

اسلامی ریاست شہریوں کے مالی حقوق کی محافظ اور نگراں ہے۔ ان حقوق پر شب خون مارنے اور انہیں غصب کرنے کی وہ کسی کو اجازت نہ دے گی۔ کاروباری امور، قرض کے لین دین اور اس کے تمام معاملات میں کسی کے جائز حق کو ضائع ہونے نہ دے گی۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں اصولی ہدایت ہمیں عہد نبوی کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن ابی حدرد نامی صحابی کی شکایت کی کہ انہوں نے اس سے چار دینار قرض لئے تھے لیکن ادا نہیں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اس کا قرض ادا کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا ہے اس وقت میں قرض ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہمیں خیبر کی جنگ میں بھیجیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ مالِ غنیمت میرے حصہ میں بھی آئے گا۔ اسی وقت قرض ادا کردوں گا۔ ان کی اس گزارش کو سن کر بھی آپ ﷺ نے فرمایا اس کا قرض ادا کردو۔

۱۔ ھدایہ ۳/ ۳۶۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے اپنا پہلا جواب دہرایا، آپ ﷺ نے سہ بارہ قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے تین مرتبہ کہنے کے بعد کسی کو جواب دینے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، چنانچہ ابن ابی حدرد اٹھے، بازار پہونچے ان کے جسم پر چادر اور سر پر عمامہ تھا۔ عمامہ کھول کر انہوں نے اسے تہ بند بنالیا اور چادر چار دینار میں فروخت کر دی۔ ایک خاتون نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اپنی طرف سے ایک چادر دی کہ اسے اوڑھ لیں۔

اس روایت کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

فیہ التشدید علی المدیون بایجاب القضاء وعدم قبول دعواہ الاعسار لمجردھا من دون بینۃ وعدم الاعتداء بیمینہ من فرق بین ان یکون صاحب المال مسلما او کافراً۔ (۱)

اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ قرض دار پر قرض کی ادائیگی کے لئے سختی کی جائے گی اور بغیر دلیل کے محض اس کا تنگ دستی اور مجبوری کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اس کی قسم کا بھی اس معاملہ میں اعتبار نہ ہوگا، قطع نظر اس کے کہ قرض دار مسلمان ہے، یا کافر۔

اسلام میں چوری کی سزا ''قطع ید'' ہے۔(۲) چوری مسلمان کرے یا ذمی، مال چاہے مسلمان کا ہو یا ذمی کا دونوں کی یہی سزا ہے۔ امام احمد، امام شافعی اور احناف سب کے ہاں مسلمان خواہ مسلمان کا مال چوری کرے یا ذمی کا اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح ذمی اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں اس معاملہ میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۳)

۱۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۹/ ۱۸۲، قرض دار کو قید بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳۸،

۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸/۲۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی ریاست ذمی کو اپنے مال کا اس طرح تحفظ فراہم کرتی ہے کہ وہ ہر خطرہ اور اندیشہ سے آزاد ہو کر اور پورے اطمینان کے ساتھ مالی سرگرمیاں جاری رکھ سکتا ہے۔

ذمیوں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں غیر مسلموں کی بہت سی عبادت گاہوں کو توڑ دیا اور انہیں منہدم کر دیا۔ اس کا تاریخی ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس بحث سے ہٹ کر یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ نے یہ حرکت کی ہے تو ایک ناروا فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس کی تعلیمات اس کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو جہاد کی پہلی مرتبہ جب اجازت دی گئی تو اس کی ضرورت اور حکمت ان الفاظ میں بیان ہوئی۔

وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ (۱)

اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو خانقاہیں۔ گرجے عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم کر دیئے جاتے اور اللہ ضرور مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ طاقت ور اور غالب ہے۔

مطلب یہ کہ جہاد کا حکم صرف مسلمانوں ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ ظلم و بربریت کو مٹانے کے لئے دوسرے انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی دیا جاتا رہا ہے۔ اس پر اعتراض اپنی ہی دینی تعلیمات پر اعتراض ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو دنیا ظلم وجور سے بھر جاتی اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں۔ اللہ کے دشمن اور اس کے باغی انہیں بھی مسمار کر کے چھوڑتے۔

۱۔ سورۂ حج، آیت ۴۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے جب بھی ظلم حد سے آگے بڑھا اور ظالموں نے دین و مذہب کی نشانیوں کو بھی ختم کر دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو ان کے خلاف صف آرا ہونے کا حکم دیا اور ان کے ذریعہ ظلم کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے گئے۔(۱)

اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ ظلم و ستم جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تو زمین پر کوئی عبادت گاہ باقی نہیں رہے گی۔ یہودیوں کے معبد نصاریٰ کے گرجا اور خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب مٹا دی جائیں گے۔(۲)

ان میں سے جو بھی مفہوم لیا جائے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبادت گاہوں کا انہدام اسلام کے نزدیک سراسر ناروا اور ظالمانہ عمل ہے۔ وہ ان کے انہدام کا نہ صرف مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح مساجد کی حفاظت چاہتا ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم علاقہ پر اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہاں غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں پائی جاتی ہیں انہیں منہدم نہیں کیا جائے گا۔ ان کی مرمت کی انہیں اجازت ہوگی اور ضرورت پڑنے پر وہ ان کی از سر نو تعمیر بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے بہت سے علاقے اور بہت سے شہر فتح کئے لیکن وہاں کسی کلیسا یا کسی معبد کو مسمار کرنے کا تو تصور ہی ناممکن ہے۔ انہیں نقصان بھی نہیں پہونچایا گیا۔

اس کے ثبوت میں ان عبادت گاہوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کی تعمیر اسلامی فتوحات سے پہلے ہوئی تھی جو ان کے بعد بھی صدیوں تک قائم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو توڑنے یا انہیں مسمار کرنے کا ازروئے شرع کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باقی رکھی جائیں اور اسلام کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ باقی رکھی گئیں اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱/۷۰،

۲۔ ماوردی، النکت والعیون: ۳/۸۴،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک سوال یہ ہے کہ یہ حکم صرف آسمانی مذاہب کی عبادت گاہوں کا ہے یا اس میں دوسرے مذاہب بھی آتے ہیں؟ سورۂ حج کی جو آیت اس بحث کے شروع میں آئی ہے اس میں ''صوامع، بیع، صلوات، اور مساجد کا ذکر آیا ہے۔ ''صوامع'' جمع ہے۔ اس کا واحد صومعہ ہے۔ اس کے معنی اونچی عمارت کے ہیں۔ یہ لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور صائبین کے زاہدوں کی عبادت گاہ کے لئے بولا جاتا تھا۔ ''بیع'' کا واحد بیعۃ' ہے۔ یہ کلیسا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ''صلوات'' یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ ''صلوات'' کا لفظ اہل عرب نے عبرانی کے صلوتا سے بنایا ہے۔ آخر میں مسلمانوں کی مساجد کا ذکر ہے۔

ان عبادت گاہوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کے ذریعہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اب بھی فرمائے گا ورنہ خدا کے باغی اور اس کے دشمن انہیں تباہ کر دیں گے۔ اس سے بہت سے مفسرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آیت میں. جن عبادت گاہوں کا ذکر ہے ان ہی کی حفاظت کا اس میں حکم ہے۔ دوسری عبادت گاہیں اس میں شامل نہیں، ابن عطیہ کہتے ہیں:

یہاں ان امتوں کی عبادت گاہوں کا بیان ہے جن کے پاس قدیم زمانہ سے آسمانی کتاب رہی ہے۔ مجوس یا مشرکین کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ان قوموں میں نہیں ہیں جن کی حمایت واجب ہو اور صرف اہلِ شرائع ہی کے ہاں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔(۱)

لیکن ابوالعالیہ نے ''صلوات'' سے صائبین کی مسجد مراد لی ہے۔(۲)

صائبہ کے پاس آسمانی کتاب کے ہونے کا قطعی ثبوت نہیں ہے۔ صرف اس کا امکان ہے۔ اس طرح کا امکان بہت سے قدیم مذاہب کے بارے میں بھی ہے۔ آیت میں مساجد کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام زہری کی ایک اور روایت ہے۔ دوسری عبادت گاہوں کے بارے میں یہ

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۷۱،

۲۔ اس سلسلہ میں سلف کی آراء کے لئے دیکھی جائے، طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن ج۹ جز، ۱۷، ص ۱۲۵-۱۲۶، طبع قدیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات نہیں کہی گئی ہے۔ اس لئے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ ان سب میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال حضرت ابو العالیہ کی رائے کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر اہلِ کتاب کی عبادت گاہ کے انہدام کی بھی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔

ابن خویز منداد کہتے ہیں کہ سورۂ حج کی آیت میں ذمیوں کے کلیسا، ان کی عبادت گاہیں اور ان کے آتش کدے منہدم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں فقہاء نے بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مسلمانوں کے شہروں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن شہروں پر مسلمانوں کا بزور قبضہ ہو ان میں غیر مسلم نئی عبادت گاہیں تو نہیں بنا سکیں گے، البتہ قدیم عبادت گاہوں کے بارے میں انہوں نے دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ باقی رہیں گی۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔

ایما مصر مصرته العجم ففتحهٗ اللّٰه علی العرب فنزلوه فان العجم مافی عهدهم —

جس شہر کو عجم نے آباد کیا اور اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس پر فتح نصیب کی اور وہ وہاں پہونچے تو عجم کی وہ چیزیں باقی رہیں گی جو ان کے عہد میں تھیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ کوئی عبادت گاہ، کوئی کلیسا اور کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ عبادت گاہیں مسلمانوں کے شہروں میں رہیں اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔(۲)

۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۲/ ۷۰،

۲۔ ابن قدامہ، المغنی ۸/ ۵۲۷،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ذمیوں کی نئی عبادت گاہیں تعمیر ہو سکتی ہیں؟

فقہاء کے درمیان یہ بحث ضروری ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں. کہ وہ اپنی نئی عبادت گاہیں تعمیر کریں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شہروں میں انہیں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہ ہوگی خاص طور پر ان شہروں میں جنہیں مسلمان (اپنے مصالح اور ضروریات کے تحت) آباد کریں جیسے کوفہ اور بصرہ، اس لئے کہ شہروں کی حیثیت اسلام کے تہذیبی مراکز کی ہے۔ البتہ قدیم شہروں میں ان کی جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہیں. وہ باقی رہیں گی۔ جیسے بغداد میں روم کا کلیسا، دیہاتوں میں یا جن علاقوں میں ذمیوں کی آبادیاں ہیں وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ (۱)

اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی اسلامی ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقہ پر یا اس کے کسی ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہوگی اور وہ اس میں اپنی عبادت گاہیں اور گرجے تعمیر کر سکتے ہیں۔ (۲)

ان رایوں کے پیچھے اپنے دور کے سیاسی مصالح بھی ضرور ہوں گے لیکن بہر حال یہ رائیں مذہبی آزادی کے تصور سے پوری طرح میل نہیں کھاتیں۔ اگر کسی شہر یا علاقہ کی حیثیت فوجی چھاؤنی کی ہے یا کچھ مخصوص سیاسی ضروریات کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے تو اس کی نوعیت دوسری ہے ورنہ آج کے دور میں جب کہ زیادہ تر آبادیاں مخلوط ہیں اور بڑے شہروں میں متعدد مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں، تو ان کا کوئی بھی گروہ اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہئے۔ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔ (۳)

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھی جائے۔ ہدایہ: ۲/۵۷۷، مع فتح القدیر ۴/۳۷۹-۳۷۷، نیز ابن قدامہ، المغنی ۸/۵۲۶، ۵۲۸،

۲۔ المغنی: ۸/۵۲۷،

۳۔ اس سلسلہ کی روایات کے ضعف کے لئے ملاحظہ ہو نصب الرایہ ۴۵۴،

© rasailojaraid.com